سید رضوان علی ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

نہ صرف ہندوستان اور برصغیر اور نہ صرف عالم عرب بلکہ پورا علام اسلام جمعہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو ایک ایسی عظیم شخصیت سے محروم ہو گیا۔ جو مجسم خیر و برکت تھی عالم اسلام کیلئے ایک روشنی تھی اس روشنی کی کرنیں نہ صرف عالم اسلام کو منور کر رہی تھیں بلکہ یورپ و امریکہ میں بھی وہ اپنی ضیاء پوشی کر رہی تھیں چودہ پندرہ سال قبل آکسفورڈ یونیورسٹی میں مولانا مرحوم کا قائم کردہ اسلامک ریسرچ سنٹر اسکا گواہ ہے اور اس سے کافی قبل مولانا نور اللہ مرقدہ کے جنیوا کے اسلامک سینٹر کے دورے جو مرحوم مصری اخوانی لیڈر ڈاکٹر سعید رمضان نے ساٹھ کی دہائی میں جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں قائم کیا تھا اور جسکی مجلس انتظامیہ کے مولانا ایک اہم اور ایکٹو ممبر تھے اور جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے جس کا ایک دورہ مولانا مرحوم کافی پہلے ستر کی دہائی میں کر چکے تھے وہاں آپ کی اسلامی تعمیری فکر عام ہے اور روحانی فیض بھی جاری ہے کہ مولانا کی تصنیفات انگریزی میں عام ہیں اور ہر گھر کی زیب و زینت، اسی طرح آپ سے ذاتی تعلق رکھنے والے بھی دنیا کے ہر خطہ میں پائے جاتے ہیں اس طرح ایمان و یقین اور للّٰہیت و عبودیت کا جو چراغ آپ نے ہندوستان میں روشن کیا تھا وہ آپ کی تصنیفات اور آپ کے معتقدین و متوسلین کے واسطے سے دنیا کے تقریباً ہر خطے میں روشن ہے۔

مولانا مرحوم حسنی سادات کی ایک مشہور و متبرک شاخ سادات قطبیہ کے چشم و چراغ تھے آپ کے جد اعلیٰ کبیر الشیخ قطب الدین المدنی (وفات ۶۷۷ھ) ساتویں صدی ہجری کے نصف اول میں اپنے رفقاء کیساتھ بغداد سے براہ غزنی ہندوستان تشریف لائے یہ وہ زمانہ ہے جب تاتاریوں کے ایران و ماوراء النہر اور پھر عراق پر حملوں اور تاراجی سے مجبور ہو کر کتنے ہی خاندان

سادات وغیر سادات بغداد اور عراق کے دوسرے شہروں سے ہندوستان آئے جو اس وقت دہلی میں خاندان غلامان کی ترک اسلامی حکومت کے سبب عراق و عجم کے لٹے پٹے مسلمانوں کیلئے ایک ملجا و مادیٰ Safe Haven تھا۔ یہاں امیر قطب الدین اپنے علوئے نسب اور شرف فضیلت کے سبب شیخ الاسلامی کے عہدے پر فائز ہوئے پھر آپ نے اس وقت کی بڑھتی ہوئی مسلمان حکومت میں جہاد کا فریضہ بھی انجام دیا آپ کی قیادت میں موجودہ ضلع آلہ آباد (بھارت) میں کرناٹک پور کا علاقہ فتح ہوا جو سلطان دہلی نے آپ کو بطور جاگیر عطا کیا آپ کی قبر آج بھی وہاں موجود ہے۔

ان کے بعد ان کی ذریت میں سے ایک بزرگ الشیخ علم اللہ عالمگیر کے عہد میں ۱۶۷۳ء میں اپنے آبائی علاقے سے رائے بریلی (موجودہ اتر پردیش بھارت) شہر سے باہر ایک دریا سیتی کے کنارے آکر آباد ہوئے آپ نے وہاں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی جو آج بھی آباد و پر رونق ہے۔ عالمگیر بادشاہ نے الشیخ علم اللہ کو جاگیر دی لیکن انہوں نے قبول نہیں کی اور درویشانہ زندگی کو ترجیح دی اسطرح سادات کے اس خاندان میں سیاست و امارت کی بجائے اب زہد و درویشی اور علم و تصوف کا چرچا شروع ہوا۔ خود شاہ علم اللہ مشہور صوفی بزرگ حضرت آدم بنوری کے خلیفہ ہیں۔

شاہ علم اللہ کے تقریباً ایک سو سال بعد اس خاندان میں بر صغیر کی عظیم ترین مجاہد شخصیت یعنی سید احمد شہید رائے بریلوی پیدا ہوئے جن کی ذات فروسیت و عسکریت اور للّٰہیت و روحانیت کی جامع تھی جہاں لاکھوں انسانوں کو راہ ہدایت دکھائی وہاں انہوں نے ہندوستان کے اس دور دراز علاقے میں اپنے مریدین و جانثاروں کیساتھ سرحد پاکستان کے علاقے میں براہ سندھ و افغانستان آکر سنت جہاد زندہ کی۔ پشاور اور سرحد کے دوسرے علاقوں کو سکھوں کے تسلط سے آزاد کرایا اور ہندوستان میں آنے والے اپنے پہلے جد امجد سید عبداللہ الاشتر بن محمد النفس الزکیہ الشہید بن عبداللہ المحض سید حسن مثنیٰ بن سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح اس سرزمین ہند میں اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جان قربان کی۔

پاکستان پر اس حسنی خاندان کے دو احسانات ہیں ایک سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے سید عبداللہ الاشتر کی ۱۴۵ھ میں سندھ میں آمد اور یہاں ان کی شہادت (ان کی لاش عباسی

حکومتِ وقت کے خوف سے سندھ میں بہادی گئی تھی) عبداللہ غازی کے مزار کو عبداللہ الاشتر کا مرقد کہنا سراسر غلط ہے (دیکھئے مصنف کی تازہ کتاب تحقیقات و تاثرات میں عبداللہ غازی سے متعلق مقالہ) اور دوسرے سید احمد شہید کی بالاکوٹ میں شہادت (۱۸۳۱ء)

سید احمد شہید کے بعد انکی اس آبائی بستی کی اہمیت بہت بڑھ گئی جو تکیہ کے نام سے مشہور ہوئی (تکیہ خانقاہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) اس خاندان میں علم و فضل کا چرچا تسلسل کے ساتھ رہا مولانا مرحوم کے دادا سید فخر الدین خیالی اپنے وقت کے ایک روشن ضمیر مصنف اور شاعر تھے آپ نے مہر جہانتاب لکھی۔ مولانا مرحوم کے والد مولانا حکیم عبدالحئی حسنی برصغیر کے ایک انتہائی مشہور مورخ و ادیب تھے جن کی اردو ادب کی تاریخ گل رعنا برصغیر کے ادبی اور جامعاتی حلقوں میں مشہور اور آٹھ ضخیم جلدوں میں انکی عربی کتاب نزھۃ الخواطر برصغیر کی ایک بے مثال اور ضخیم ثقافتی سیاسی اور تمدنی تاریخ ہے جس میں برصغیر کی تمام اہم شخصیتوں کا صدی بصدی ذکر ہے اسکے کچھ حصوں کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے مولانا حکیم عبدالحئی حسنی صاحب شبلی نعمانی کے رفقاء میں تھے اور ندوۃ العلماء کے تاحیات ناظم رہے۔

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں اس خاندان کے کچھ افراد میں انگریزی و عصری علوم کا شوق پیدا ہوا بعض لوگ انگلستان سے بیرسٹر ہو کر آئے اور ایک صاحب امریکہ سے انجینئرنگ پڑھ کر اور کام کر کے آئے لیکن شرافت کے اثر سے دین کا چرچا خاندان میں باقی رہا خود مولانا مرحوم کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی صاحب نے لکھنؤ کے مشہور کیننگ کالج سے ایم بی بی ایس کیا اور ساتھ ہی حکمت پڑھی۔ اور دیوبند میں حدیث کی تعلیم حاصل کی اور اپنی وفات تک مطب کرتے رہے مرحوم اپنے والد کی جگہ ندوۃ العلماء کے ناظم بھی منتخب ہوئے اور آخر تک اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دیتے رہے انکی وفات کے بعد ندوۃ العلماء کی نظامت مولانا علی میاں مرحوم کے حصہ میں آئی۔

یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ کالج کے قیام انیسویں صدی کے اواخر میں برصغیر کے کچھ دردمند اور دقیقہ رس علماء کو دین و دنیا کی تعلیم میں پائی جانے والی اور

بڑھتی ہوئی خلیج کے اثرات بد کا اندیشہ لاحق ہوا اور انہوں نے ایک ایسی علمی انجمن قائم کرنے کا عزم کیا جو دین و دنیا کی جامع اور ہمہ گیر تعلیم کا منصوبہ بنانے اور اس کو عملی جامہ پہنائے اس طرح مولانا محمد علی مونگیری اور دوسرے علماء کے اشتراک سے جن میں حکیم مولانا عبدالحئی حسنی مولانا شبلی نعمانی بھی شریک تھے ندوۃ العلماء کی انجمن ۱۸۹۳ء میں قائم ہوئی اور پھر اس ندوۃ العلماء (جسکو اختصار کے ساتھ ندوہ کہا جاتا ہے) نے ۱۸۹۸ء میں ایک دارالعلوم کی بنیاد لکھنؤ میں ڈالی یہ چھوٹا سا ابتدائی مدرسہ مولانا شبلی نعمانی کے عہد سے ترقی کرتے کرتے اب ایک عظیم الشان اسلامک عربک یونیورسٹی ہے جس میں عربی ادب تفسیر، حدیث فقہ کے ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں اور ان اسلامی علوم پر وہاں تخصص کی ڈگری دی جاتی ہے اس طرح ندوۃ مولانا مرحوم کے خاندان اور خاص طور پر مولانا علی میاں مرحوم کے ذاتی اثر و رسوخ اور خلوص وجد و جہد کی ایک جاگتی تصویر ہے۔ ندوۃ نے جو ترقی مولانا مرحوم کے عہد میں کی وہ اس سے قبل نہ ہوئی ساؤتھ ایشیاء میں اس مرتبہ کی کوئی دینی درسگاہ نہیں۔ مولانا علی میاں مرحوم ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے اس طرح وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۶ سال تھی۔ آپ بچپن میں یتیم ہو گئے تھے کیونکہ جب آپکی عمر ۹ سال کی تھی تو آپ کے والد کا انتقال ہوا مولانا مرحوم کی تعلیم و تربیت انکے محبوب و شفیق بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم کی زیر نگرانی ہوئی اور ایک مخصوص طریقہ پر یعنی آپ کو ایک ایک علم کی مستقل اور علیحدہ تعلیم دی گئی پہلے عربی پھر قرآن و تفسیر پھر حدیث پھر فقہ۔ آپ نے عربی اپنے زمانے کے مشہور استاد خلیل عرب صاحب سے اور کافی بعد مراکش کے ڈاکٹر تقی الدین ہلالی سے حاصل کی۔ مولانا مرحوم کا گھرانہ علم و ادب اور دینداری و للّٰہیت کا گھرانہ تھا جس میں خدا پرستی کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بہت رواج تھا مولانا مرحوم کے دادا اور والد کی تصنیفات کا ذکر ہو چکا ہے۔ مولانا مرحوم کی والدہ سیدہ خیر النساء حافظ قرآن شاعرہ اور مصنفہ تھیں اسی طرح مولانا کی ایک بہن لمۃ اللہ تسنیم جن کی حدیث میں کتاب زاد راہ (ترجمہ ریاض الصالحین عربی) بہت مشہور ہے۔

مولانا مرحوم کی اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز سولہ سال کی عمر میں ہوا جب آپ نے سید احمد

شہید پر عربی میں ایک مقالہ لکھا اور یہ مقالہ کتابی شکل میں مصر میں چھپا اور وہاں کے علماء نے اسکی داد دی۔ مولانا مرحوم کی پہلی اردو کتاب سیرت سید احمد شہید ۱۳۳۹ھ میں چھپی جب آپکی عمر صرف ۲۵ برس تھی اور اس نے ملک کے مشہور علماء وبزرگان دین سے خراج تحسین حاصل کیا جن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا سید حسین احمد مدنی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں اسکے بعد سے تو مولانا مرحوم کے قلم سے تصانیف کا ایک سیل رواں تھا جو زندگی کے آخری ایام تک موجیں مارتا رہا۔

آپ کی زندگی کے علمی و عملی و روحانی پہلو اتنے متنوع اور کثیر تعداد میں ہیں کہ ایک دو مضمونوں میں انکا ذکر کرنا ممکن نہیں ہے انکی زندگی میں ان پر اردو عربی میں متعدد کتابیں لکھی گئیں ہیں اور آئندہ بھی لکھی جائیں گی۔ مولانا علی قاسمی کی کتاب "مولانا ابوالحسن علی ندوی مشاہیر امت کی نظر میں" طبع ہو چکی ہے اور اسی طرح گزشتہ سال دمشق سے عربی زبان میں ایک نوجوان ہندوستانی مصنف عبدالماجد الغوری الندوی کی ابو الحسن علی الحسینی الندوی' الامام المفکر والداعی الادیب" چھپی ہے۔ تازہ ترین کتاب مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے قلم سے "میر کارواں" ہے۔ جس میں مولانا مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

راقم کا ذاتی تعلق مولانا مرحوم سے پورا تریپن سال پرانا ہے یہ تعلق جو ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا تھا تادم وفات قرب وبعد کے ساتھ جسمانی یا تحریر طور پر قائم رہا۔ مولانا مرحوم کی شفقت و رفاقت مجھے لکھنؤ رائے بریلی مکہ مکرمہ مدینہ منورہ' ریاض' دمشق' کراچی' لاہور میں حاصل رہی اور انگلستان اور لیبیا اور پاکستان سے برابر مراسلت رہی۔ میں نے اپنی زندگی میں ہندوستان پاکستان اور مصر و شام اور حجاز میں بہت سے علماء وبزرگوں کو دیکھا ہے لیکن میری نظر میں مولانا مرحوم جیسے کوئی نیک نفس' عالی حوصلہ' قناعت پسند' شفیق و دردمند' بلند نظر' بلند ہمت' صاحب دل' صاحب قلم نہیں دیکھا۔

مولانا کی تصنیفات کی تعداد ۱۷۶ ہے ایک نوجوان ندوی مصنف طارق زبیر نے مولانا کی تصنیفات کی ایک فہرست گزشتہ سال شائع کی ہے جس میں یہ تعداد و تفصیل مذکور ہے۔

مولانا کی مشہور ترین تصنیف وہ ہے جو آپ نے ۱۹۴۷ء میں عربی زبان میں لکھی تھی یعنی "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" اسکا اردو ترجمہ مسلمانوں نے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا عربی اصل سے قبل چھپ چکا تھا جو مولانا مرحوم کے ہی قلم سے تھا۔ اصلی عربی کتاب مصر کے ایک مشہور علمی ادارے لجنة التاليف والترجمه والنشر کی طرف سے ۱۹۵۰ء میں چھپی اور اس نے سارے عالم عرب سے خراج تحسین حاصل کیا۔ بہت سے عرب مصنفین کے بقول بیسویں صدی کی یہ سب سے زائد چھپنے والی عربی کتاب ہے۔ میر کارواں کے مصنف کے بقول اب تک اسکے ستر قانونی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں غیر قانونی اسکے علاوہ ہیں یہ کتاب مولانا مرحوم کے بقول مصر شام وسوڈان کے پہلے سفر میں انکا وزیٹنگ کارڈ تھا۔ مولانا مرحوم کی دیگر تصانیف کی طرح یہ کتاب بہت سے ممالک کی عرب یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہے اسکا انگریزی، فارسی، ترکی، انڈونیشی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ انگریزی ترجمہ کا نام "اسلام اینڈ دورلڈ" ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ تاریخ ساز کتاب ہے۔ مولانا کی دوسری انتہائی اہم اور حوالہ (ریفرینس) کی کتاب اردو میں تاریخ دعوت وعزیمت ہے جو سات جلدوں اور چھ اجزاء میں لکھنؤ اور کراچی سے شائع ہوئی ہے اور برابر چھپ رہی ہے اسمیں مولانا مرحوم نے عالم اسلام کے ان ہستیوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ہر دور میں اسلام کی خدمت اور اس کے پیغام کو تازہ کرنے کا کام انجام دیا۔ یہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے لے کر سید احمد شہیدؒ پر ختم ہوتی ہے اس آخری جزو کی دو جلدیں ہیں یہ عربی زبان میں بھی چار جلدوں میں دمشق سے شائع ہو چکی ہے۔ مولانا مرحوم نے اپنی تصنیفات میں تحقیق وجستجو کا وہ معیار قائم رکھا ہے جس کی بناء شبلی وسلیمان ندوی نے ڈالی تھی بلکہ عصری تقاضوں کے مطابق اسکو کچھ مزید ترقی دی ہے مولانا مرحوم نے اپنے زمانے اور اور ماقبل کے بہت سے بزرگوں کے سوانح عمریاں بھی لکھی ہیں جس میں تذکرہ مولانا فضل الرحمان گنج مراد بادی، سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، مولانا محمد الیاسؒ اور انکی دینی دعوت، سوانح مولانا محمد یعقوب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

آپ کی کتاب ارکان اربعہ نماز روزہ حج زکوۃ بھی اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے اسکا بھی

عربی ترجمہ ہو چکا ہے۔ پرانے چراغ تین جلدیں ان لوگوں کے سوانحی خاکے ہیں جن کو مولانا نے دیکھا اور جن سے رفاقت رہی۔ تاریخ کے علاوہ یہ ادب کی انتہائی معیاری کتاب ہے۔ مولانا مرحوم کی عربی نثر کی دل آویزی اور اثر انگیزی کے سارے عرب ادیب معترف ہیں اور اسی طرح اردو نثر کی معترف آل احمد سرور اور مرحوم ڈاکٹر ابولیث جیسی شخصیات رہی ہیں مولانا کے یورپ امریکہ اور عالم عرب کے سفر نامے بھی خاصے کی چیز ہیں آخر میں مولانا نے خود آپ بیتی کا سلسلہ "کارواں زندگی" کے عنوان سے شروع کیا۔ جس کی سات جلدیں چھپ چکی ہیں وفات سے ڈیڑھ ماہ قبل مولانا مرحوم نے مجھے ساتویں جلد کی اشاعت کی خبر دی تھی مجلس نشریات اسلام کا ادارہ جس نے مولانا مرحوم کی بیشتر اردو کتابیں شائع کیں کاروان زندگی کی چھ جلدیں شائع کر چکا ہے۔

مولانا مرحوم کی آپ بیتی صرف اپنی ذات کی داستان نہیں بلکہ یہ عالم عرب، ہندوستان، یورپ و امریکہ اور خاص کر پورے عالم اسلام اور مسلمانان عالم کی داستان ہے۔ ہندوستان کے اسلامی مورخ کے لئے تو اس میں بے انتہا علمی سرمایہ ہے۔

عالم عرب کے بہت سے فرمانراؤں خصوصا سعودی عرب کے حکمرانوں سے مولانا کا ناصحانہ تعلق رہا شاہ فیصل سے آپ کی متعدد ملاقاتیں اور مراسلت رہی اسطرح ملک سعود بن عبدالعزیز، اردن کے ملک عبداللہ مرحوم اور پاکستان کے صدر ضیاء الحق مرحوم ہیں جو مولانا سے عقیدت مندانہ تعلق رکھتے تھے، مولانا عالم اسلام کی تنظیموں کے رکن اساسی یا ممبر تھے آپ رابطہ عالم اسلامی، مسلم ورلڈ لیگ مکہ و مدینہ اسلامک یونیورسٹی کے فاؤنڈر ممبر تھے اسی طرح دمشق کی عرب اکیڈمی، اسلامی انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد فقہ اکیڈمی جدہ وغیرہ۔ آپکا یورپ میں اہم کارنامہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامی ریسرچ سنٹر قائم کرانا تھا جو ۱۴ سال قبل بعض عرب شخصیات اور یونیورسٹی کے تعاون سے قائم ہوا اور جس کے مولانا چیئرمین رہے اسی طرح آپ نے رابطہ ادب اسلامی قائم کیا جس کے جلسے ترکی اردن اور پاکستان وغیرہ میں ہوتے رہے۔

مولانا مرحوم عملی سیاست کے آدمی نہیں تھے لیکن ہندوستان میں جب اسلام اور مسلمانوں پر برا وقت پڑا تو مولانا مرحوم پوری قوت اور تندھی کیساتھ اس کیلئے سرگرم ہو گئے۔

اپنے دوسرے رفقاء کیساتھ فسادات اور ہندوؤں کے مظالم سے مسلمانوں کو بچانے کیلئے مسلم مجلس مشاورت قائم کی جس سے قبل اپنی جان ہتھیلی پر رکھکر مولانا نے جمشید پور کا دورہ کیا جہاں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا اور پوری ہمت و حکمت کیساتھ ہندوستانی حکومت کو اس پر متنبہ کیا، تعلیم میں جب ہندو افکار و اصنام پرستی کی آمیزش شروع ہوئی تو مولانا نے اس کیلئے مسلم تعلیمی کونسل کی سربراہی قبول کی اور اپنی تقریروں اور دوروں سے سارے ہندوستان میں اس کیلئے کام کیا۔

مسلم پرسنل لاء کو جب ہندوستان میں یونی فائنڈ پرسنل لاء کی آوازیں بلند ہوئیں تو شاہ بانو کیس کے سلسلے میں آپ دوسرے مسلمان لیڈروں کے ساتھ سینہ سپر ہوئے اور ان وفود کی قیادت کی جو راجیو گاندھی سے ملا اور بلا آخر ۱۹۸۶ میں ہندوستان کی پارلیمنٹ نے مسلمانوں کے پرسنل لاء کی خود مختاری کا قانون پاس کیا۔ غرض مولانا مرحوم عرب ممالک اور خاص طور پر سعودی عرب میں اپنی دعوتی اور علمی مصروفیات کے باوجود بھرپور طریقے سے ہندوستان کے مسلمانوں کی عملی خدمت کرتے رہے۔ مولانا نے کبھی بھی کسی حکمراں سے کوئی ہدیہ کوئی مدد قبول نہیں کی۔ وہ درویشی و استغنا کا پیکر تھا انہوں نے کافی عرصہ قبل شاہ فیصل ایوارڈ کی کثیر رقم وہیں سعودی اداروں اور جہاد افغانستان میں دی تھی (۱۹۸۰ء) گزشتہ سال رمضان میں امارات کی حکومت کی طرف سے انکو ایک کروڑ چالیس لاکھ کا ایوارڈ ملا۔

مولانا مرحوم نے اپنے پاس اس رقم سے ایک پیسہ بھی نہیں رکھا بلکہ سب ہندو پاکستان کے علمی و دینی اداروں کو دیا۔ مولانا علماء اور دینی حلقوں کی طرح مشرق و مغرب کی نئی نسل میں بھی انتہائی محبوب شخصیت تھے۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں عالم اسلام میں مولانا مرحوم سے زیادہ کوئی مقبول و محبوب شخصیت نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی قبر پر انوارات کی بارش کرے اور آپ کو فردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ اور آپ کے فیوضات کو قائم و دائم رکھے۔

☆☆☆☆☆☆☆